مناظرہ وکلام
۱۸۸
حسین آباد۔ لکھنؤ ۱۸۰

# امامیہ مشن لکھنؤ کا ساتواں تبلیغی رسالہ



مطبوعہ سرفراز قومی پریس کنور اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت ۱ر محرم ۱۳۵۲ھ مصولڈاک ۰ر

# یا قومنا اجیبوا داعی اللہ

اے قوم جواب دے خدا کی طرف سے پکارنے والے کا

برادران ایمانی - سلام علیکم

امامیہ مشن کی دینی و تبلیغی خدمات آپ حضرات کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں اس سلسلہ میں جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے جبتک کہ ہر ہر فرد قوم تھوڑی قربانی نہ کرے اس کام کو تیزی کے ساتھ آگے نہیں بڑھایا جا سکتا - چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ شیعیان امیر المومنینؑ کثیر تعداد میں اس تبلیغی ادارہ کے ممبر بن کر ہماری تقویت کریں چندہ سالانہ کم سے کم ایک روپیہ ہے اور جو مومنین اس سے زائد مرحمت فرمادیں وہ اُن کی خوشی پر منحصر ہے اور ممبران کیلئے یہ رعایت ہوگی کہ ممبر بننے کے بعد جو رسالے شائع ہونگے وہ اُن کو نصف قیمت پر دیئے جائینگے،

فارم ممبری ہمسے طلب فرمایئے اور خود بھی ممبر بنیئے اور دیگر مومنین کو بھی ممبر بنا کر عند اللہ و عند الرسولؐ ماجور ہوجیئے -

خادم ملت
سید ابن حسین عفی عنہ
آنریری سکریٹری امامیہ مشن
حسین آباد - لکھنؤ

# حسینؑ اور اسلام

(مصنفہ)

عالیجناب سید العلماء مولانا مولوی سید علی نقی صاحب قبلہ

مجتہد العصر مدظلہ

# امامیہ مشن کی سات تین مذہبی خدمت

حضرات ۔ امامیہ مشن کو قائم ہوئے بہت کم عرصہ گذرا ہی جو چند مہینوں سے زیادہ نہین لیکن اتنے ہی قلیل عرصہ مین اُسکے مذہبی خدمات اُس کا کافی تعارف کرا چکے ہین ۔

اس مشن نے اس عرصہ مین چھ مستقل رسالے شایع کرنیکے علاوہ ایک ایک رسالہ کے دو دو اور تین تین ایڈیشن بھی شایع کئے جو اسکے خدمات قومی کی مقبولیت کا نتیجہ ہین ۔

امامیہ مشن کی یہ سات تین خدمت ہے جو حسینؑ کے نام کو اپنا سرنامہ بنائے ہوئے آپکے سامنے آرہی ہی خدا سے دعا ہی کہ وہ اسکو بھی قبول فرمائے اور جس مقصد کیلئے اسکی اشاعت کیجارہی ہی وہ بانجمیل کو پہونچے والسلام

خادم ملت ۔ سید ابن حسین عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن ۔ لکھنؤ

Oriental Section
URDU PRINTED
۷۲۵ ۱۹۷۲
۷۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سیّد

المرسلین وآلہ الطاہرین

# حسینؑ اور اسلام

حسینؑ تاریخی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہیں، اُنکی شخصیت اور عظیم کارنامے کروڑوں افراد کے سر عقیدت کو خم کئے ہوئے ہیں؛ تم نے ممکن ہے کہ اُنکے عظیم کارنامۂ زندگی کے مطالعہ اور اُنکے حیرت انگیز ثبات قدم اور استقلال و تدبر سے بھرے ہوئے بمثال قدام اور قربانی کے حالات پر اطلاع حاصل کرنیکا موقع نہ پایا ہو لیکن کم سے کم تم نے حسینؑ کا نام ضرور سنا ہوگا اور اتنا جانتے ہوگے کہ وہ کسی بڑے تاریخی واقعہ کے ہیرو ہیں ممکن ہے یہ خیال بھی تمہارے دل میں کبھی آتا ہو کہ یہ حسین کون تھے اور

آخر اُس واقعہ کے خصوصیات کیا ہین جو اس بڑے انسان کی ذات سے تعلق رکھتا ہی۔ اچھا تو پھر آؤ اور صبر و سکون کے چند لمحے مجھکو عاریت دو۔

مین تم کو حسینؑ اور اُنکے مشن کی جس کے سلسلہ مین اُنھون نے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے مین دریغ نہین کیا مختصر لفظون مین شناسا کراؤن جس سے تم کو حسینؑ اور اُن کے اقدامات کے متعلق صحیح رائے قائم کرنیکا موقع مل سکے۔

# حسینؑ کون تھے؟

## حسینؑ کیلئے اسلام کا روحانی تعلق

ساتویں صدی عیسوی مین جبکہ دنیا تاریکی کے عظیم دور سے گذر رہی تھی اور انسانی تمدن کی کشتی تفرقہ اور فساد کے طوفان سے ڈانوا ڈول تھی جزیرہ نمائے عرب سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا جسکی ابتدائی کرنین اگرچہ حجاز کے مرکزی مقام مکہ معظمہ سے ظاہر ہوئی تھین لیکن رفتہ رفتہ

اسکی روشنی مشرق و مغرب عالم پر چھا گئی اور دنیا کو روشن کر دیا۔

یہ ہر دلعزیز اور عالمگیر مذہب جس کا نام ہی اسلام ہے اپنے ابتدائی دور
مین ترقی و اشاعت کی حیثیت سے دو عظیم شخصیتون کی جانفشانی اور
انتھک کوششون کا نتیجہ تھا ایک پیغمبر اسلام محمد مصطفے صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم دوسرے انکے چچازاد بھائی علی بن ابیطالب،

اگرچہ دوسرے بہت سے صحابہ کرام نے جو خدمات انجام دی ہین
اور جان نثاری و فداکاری کے فرض کو انجام دیا ہے اُنکی کو نظر انداز
نہین کیا جا سکتا اور وہ تاریخ مین سنہری حرفون سے لکھے جانیکے
قابل ہین لیکن اُن کو اسلام کے سنگ بنیاد نصب ہونے اور اُسکے بعد والے
ابتدائی مراحل سے کوئی تعلق نہین ہے اور نہ اسکے بعد انھین اساسی
حیثیت دیجا سکتی ہے بلکہ وہ ضمنی حیثیت رکھتے ہین۔ لیکن حقیقتاً انہی
دو بزرگون کے ثبات قدم اور حیرت ناک استقلال اور اپنے خون کو بسینچہ
لینے کا اثر تھا کہ اسلام کی بنیاد دین قائم ہوئین اور حیرت ناک تیزی کیساتھ

اسکی اشاعت ہوئی ۔

قدرت کو ان دونوں بھائیوں کے اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا تھا حضرت رسول اکرمؐ کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کیساتھ حضرت علی بن ابیطالبؑ کا عقد ہوا اور اس طرح علی کو بھائی ہونیکے علاوہ ایک شہم کی فرزندی بھی رسولؐ سے حاصل ہوگئی اور دو نو سلسلے کہ جو اشاعت اسلام مین متحد تھے اور زیادہ استحکام کیساتھ ایک نقطہ پر جمع ہوگئے ۔

انہی ماں باپ حضرت فاطمہ و علی بن ابیطالبؑ سے دو بچے متولد ہوئے جن کا نام تھا حسنؑ اور حسینؑ اور عین اسوقت کہ جب اسلام ایک نوعمر بچہ کی حیثیت سے رسول اسلام کی آغوش مین پرورش پا رہا تھا ان دونوں بچون کی ولادت ہوئی جن کی پرورش بھی رسولؐ کی آغوش مین شروع ہوئی اور اس طرح ان دونوں کا اور اسلام کا گہوارۂ تربیت ایک قرار پایا ایک طرف نانا کہ جو بانی اسلام تھے اور دوسری طرف باپ کہ جو مجاہد و

محامی اسلام تھے اُن کے خدمات اور کارگذاریاں سامنے تھیں اور اس ماحول کے باعث اسلام کیلئے روحانی تعلق اور دلی ارتباط ان دونوں بچوں میں بچپنے ہی سے راسخ ہوگیا اور جتنی عمر بڑھتی گئی اُلفت اسلام کا جذبہ مستحکم سے مستحکم تر ہوتا گیا۔

مذہبی عقائد سے جن کی بنا پر یہ دونوں بزرگ (حسن حسین) امام خلق اور حقیقی ذمہ دار اسلام قرار پاتے ہیں بالکل الگ ہوکر تاریخی اعتبار سے بھی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی زندگی پابندی شریعت اور حفظان اصول مذہب کی حیثیت سے اسلامی تعلیمات کا مکمل آئینہ اور احکام شریعت کا مجسم نمونہ تھی اور اسلئے بھی اسلام اور شریعت اسلام کے ساتھ جتنی گہری ہمدردی ان کو ہوسکتی تھی کسی کو نہیں۔

# بنی اُمیّہ کا دورِ حکومت

## یا

## تاریخ کا ایک سیاہ ورق

پیغمبر اسلام کی وفات اسلام کیلئے ایک سخت ترین مصیبت تھی جسکے بعد ہی سے اسکی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے شروع شروع مین کچھ عرصہ تک اُسکی سادگی و حقیقت پروری، ظاہری جاہ و عزت سے بے تعلقی اور مادی ساز و سامان سے کنارہ کشی ایک حد تک محفوظ تھی لیکن ادھر فتوحات نے ترقی کی قیصر و کسریٰ کے ممالک مسلمانون کا قبضہ ہوا، شاہانہ تزک و احتشام اور سلطنتی جاہ و جلال آنکھین دو چار ہوئین اُدھر اسلامی افراد مین بھی کشور آرائی اور جہانبانی کے جذبات نے پرورش پائی اور مذہبی پابندیون کے بجائے سیاسی منصوبہ بازیون اور کمزورون کے مقابلہ مین جابرانہ طاقتون کے مظاہرہ کا دور دورہ ہوگیا۔

رسولؐ اور اُنکے خاندان (بنی ہاشم) کے قدیمی حریف بنی اُمیہ کہ جو برابر رسولؐ سے شاعت اسلام کے خلاف اپنی طاقت کے آخری نفس تک جنگ کرتے رہے اور سب سے آخر میں اُمید کے تمام رشتے منقطع ہو جانیکے بعد بادل ناخواستہ اسلام لائے تھے اُنھیں ان انقلابات میں اپنے منصوبوں کے پورا کرنے کا اچھا موقع ملا۔

حضرت خلیفۂ ثانی (عمر بن الخطاب) ہی کے دور میں شام پر ان کا تسلط ہو گیا تھا جو صرف گورنری کی حیثیت سے تھا لیکن قدم جمانے کیلئے بہت کافی تھا۔

تیسرے دور میں خوش قسمتی سے مرکزی حکومت یعنی خلافت کا سہرا بھی بنی اُمیہ کے سر پر بندھا اور اس گروہ کو اسلام کے نام اپنے دیرینہ منصوبوں کے پورا کرنیکا پورا موقع مل گیا۔

حضرت خلیفۂ ثالث کے ساتھ حسن ظن کو راہ دیتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ صاف و سادہ لوح خلیفۂ وقت کو اپنے ان خاندانی افراد کے غرض و

مقاصد اور انکے اطوار و حالات کی اطلاع نہ تھی لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ
اس عہد میں صحابۂ رسول اور سچے اسلامی فرزندوں کیساتھ انتہائی شرمناک
برتاؤ اختیار کئے گئے اور انہوں کی جانبداری اور انکے بدترین مظالم
کی حمایت انتہا تک پہونچگئی جسکے بعد پانی سر سے اونچا ہوگیا اور مظالم کو
برداشت کرتے کرتے صبر کے پیمانے لبریز ہو گئے جس کا افسوسناک نتیجہ
قتل خلیفہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تاریخ کے مطالعہ سے اس قتل کی بہت کچھ ذمہ داری بنی امیہ کے
سر دکھائی دیتی ہے۔

اسکے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور خلافت جیسے بڑے بڑے صحابۂ کرام
اور اہل حل و عقد کے اتفاق آراء سے حضرت علیؑ کا انتخاب ہوا اور
سب نے باتفاق آپکی بیعت کی لیکن گورنر شام معاویہ بن ابی سفیان
جو وہاں پورے طور پر قبضہ جما چکے تھے وہ اسلامی متفقہ فیصلہ کے
سامنے سرنگوں نہونا تھے نہوے اور خون حضرت عثمان کی طلب کے

بہانے سے علی بن ابیطالبؑ سے برسرپیکار ہوئے چنانچہ جنگ صفین کے سیکڑوں معرکہ جن میں ہزاروں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہ گیا اسی کا کرشمہ تھے۔

آخر اس جنگ کا فیصلہ ایک مکارانہ مصالحت کی تھا ہوا جس میں اگر دیانت و امانت کا جوہر کارفرما ہوتا تو یقیناً مسلمانوں کے درمیان سے ناگوار اختلاف کا خاتمہ ہو سکتا تھا لیکن افسوس کہ حرص و آز کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے اس ظاہری مصالحت کو فتنہ و فساد کا پیش خیمہ قرار دیدیا اور اختلاف و افتراق کی خلیج پہلے سے زیادہ وسیع ہو گئی۔

یہ وہ وقت تھا کہ شام کے تخت پر بنی امیہ کے قدم پوری طاقت کیساتھ جم گئے تھے ادھر امیرالمومنین علیؑ کو مسجد کوفہ میں شہید کیا گیا ادھر شام میں مخالفت اہلبیت کا طوفان پوری قوت پر بلند ہو گیا اور دمشق بلکہ تمام بلاد اسلامیہ کے منبروں پر کمال جرأت کیساتھ اہلبیت رسولؐ پر لعن طعن کا بازار گرم ہو گیا۔

**اس زمانہ کے بعض اہم خصوصیات** امیر معاویہ اگرچہ صحابۂ رسولؐ کی ایک ممتاز فرد سمجھے جاتے ہیں لیکن اُن کے دورِ حکومت کے یہ افسوسناک خصوصیات ہیں جو اسلامی تاریخ میں جلی حرفوں سے رقوم نظر آتے ہیں اور اُن سے اُس زمانہ میں اسلام کے ضعف و کس مپرسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) وضع احادیث اور خدا اور رسولؐ پر افترا و بہتان کوئی جرم نہ رہا بلکہ اس پر مخصوص مصالح کے تحت میں جائزہ و انعام دیا جاتا تھا چنانچہ ابوالحسن علی بن محمد مدائنی جو اسلامی مورخین میں بڑے پایہ کا شخص ہے اُس نے کتاب الاحداث میں اُس زمانہ کے حالات درج کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کتب معاویۃ الی عمالہ فی جمیع الآفاق ان لا یجیزوا لاحد من شیعۃ علی شہادۃ وکتب الیہم ان انظروا من قبلکم من شیعۃ عثمان ومحبیہ واہل ولایتہ الذین یروون فضائلہ ومناقبہ فادنوا مجالسہم وقربوہم واکرموہم واکتبوا الی بکل ما یروی کل رجل منہم واسم ابیہ وعشیرتہ ففعلوا ذلک حتی اکثروا فی فضائل عثمان ومناقبہ

لما کان یبعثہ الیھم معاویۃ من الصلات والکساء والحباء والقطائع
ویقیضہ فی العرب منھم والموالی فکثر ذلک فی کل مصر وتنافسوا فی
المنازل والدنیا فلیس یجد امرء من الناس عاملا من عمال
معاویۃ فیروی فی عثمان فضیلۃ او منقبۃ الا کتب اسمہ وقربہ
وشفعہ فلبثوا بذلک حینا۔

"معاویہ نے تمام عمال کو لکھا کہ جو شخص حضرت عثمان کی فضیلت میں
کسی حدیث کو بیان کرے اُس کا پورا نام مع پتہ کے میرے پاس لکھکر بھیجدو
اور پوری طرح جائزہ وانعام سے اُس کو مالا مال کردو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
فضیلت عثمان میں احادیث کثرت سے ہوگئیں اور ایک مدت تک یہ سلسلہ قائم رہا"

ثم کتب الی عمالہ ان الحدیث فی عثمان قد کثر وفشا فی کل مصر وکل
وجہ وناحیۃ فاذا جاءکم کتابی ھذا فادعوا الناس الی الروایۃ فی
فضائل الصحابۃ والخلفاء الاولین ولا تترکوا خبرا یرویہ احد من
المسلمین فی ابی تراب الا وأتونی بمناقضہ فی الصحابۃ فان ھذا

احب الی واقر لعینی واوحض لحجۃ ابی تراب شیعتہ واشد علیہم من
مناقب عثمان وفضلہ فقرأت کتبہ علی الناس فرویت احادیث کثیرۃ فی
مناقب الصحابۃ مفتعلۃ لاحقیقۃ لھا وجدّ الناس فی روایتہا یجری
ھذا المجری حتی اشاروا بذکر ذلک علی المنابر والقی الی معلّمی الکتاب فعلّموا
صبیانھم وغلمانھم من ذلک الکثیر الواسع حتی رووہ وتعلّموہ کما
یتعلّمون القرآن وحتی علموہ بناتھم ونساءھم وخدمھم وحشمھم فلبثوا
بذلک ما شاء اللہ -

"پھر تمام گورنرون کو لکھا گیا کہ عثمان کی فضیلت مین احادیث کا
بہت کافی ذخیرہ جمع ہوگیا ہی اب تم دیگر صحابہ کے فضائل مین روایت
احادیث کی طرف لوگون کو دعوت دو اور جو کوئی فضیلت بھی ابوتراب کی
نسبت احادیث مین وارد ہوئی ہی اسکے مقابل دوسرے صحابہ کیلئے بھی
بیان کرو۔ علی اور انکے شیعون کی دلیل کے باطل کرنیکا سب سے بڑا ذریعہ
یہی ہی، بس پھر کیا تھا، فرمان لوگون کے سامنے پڑھا گیا اور سیکڑون

حدیثیں صحابہ کبار کے مناقب میں تصنیف ہوگئیں جن کی کچھ اصلیت نہ تھی واعظین اُن کو منبروں پر پڑھتے اور معلمین مکتب بچوں کو قرآن کی طرح حفظ کراتے تھے بلکہ لڑکیوں عورتوں اور غلاموں کنیزوں تک کو یاد کرانا ضروری سمجھتے تھے"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچے اسلامی روایات بھی ان بے حقیقت اخبار کے ساتھ مخلوط ہو کر بے اعتبار بن گئے اور علمی تحقیق و تدقیق میں ایک بہت بڑا رخنہ پڑ گیا۔

(۲) سب و شتم اور اکابر اہل اسلام کو گالیاں دینے کا دستور نکل آیا دمشق و شام کے منبروں پر چالیس برس تک یہ رسم ادا ہوتی رہی اور علی بن ابیطالب ؑ کی نسبت اس جسارت کا سلسلہ قائم رہا۔

(۳) بلاد اسلامیہ میں شراب بہت آزادی کیساتھ استعمال کیجانے لگی اور اسکی خرید و فروخت میں کوئی روک ٹوک باقی نہیں رہی چنانچہ عبدالرحمن بن سہل انصاری (صحابی رسول ؐ) نے شراب کے بارے سے لکھے ہوئے

اونٹوں کو دیکھا تو اپنے نیزہ کی نوک سے اُن مشکوں کو پھاڑ ڈالا حضرت معاویہ کو خبر معلوم ہوئی تو کہا اُس بڈھے کو چھوڑ دو اُسکی عقل جاتی رہی ہے عبدالرحمن نے سنا تو کہا خدا کی قسم میری عقل نہیں گئی ہے مگر رسالتمآب نے ممانعت فرمائی ہے اس سے کہ شراب ہمارے شکم میں داخل ہو یا برتنوں میں رکھی جائے (دیکھو کتاب اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۳ ص ۲۹۹ و اصابہ حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۲ ص ۴۰۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں شراب کی درآمد مسلمانوں میں بہت خوبی سے ہو گئی تھی اور اگر کوئی سچا مسلمان تعرض کرتا تھا تو اسے دیوانہ اور بے عقل کا خطاب دیا جاتا تھا۔

(۴) بیگناہ مسلمانوں کا خون بہت بے دردی سے بہایا جانے لگا ہیکڑوں کلمہ گویوں کی گردنیں زیر تیغ ہو گئیں حمرہ بن جندب اور بسر بن ارطاۃ اور زیاد بن ابیہ کی سیاہ کاریاں اسی عہد کا نامۂ عمل ہیں۔ عبداللہ بن عباس کے دو کمسن بچے ان کی گود میں ذبح کر دیے گئے جس سے وہ مجنون

ہوگئین (ملاحظہ ہو استیعاب، ابن عبدالبر مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد اول صـ۶۶)

(۵) مذہب کا وقار بالکل کم ہو رہا تھا اور بڑے سے بڑے ارکان مذہبی کو مسخرہ پن میں اڑایا جاتا تھا۔

امیر معاویہ نے بڑے فخر سے جاریہ بن قدامہ اور احنف وشخصون کی نسبت فرمایا کہ اشتریت منہما دینہما میں نے ان سے ان کا مذہب مول لے لیا ہے" استیعاب ج ۱ صـ۱۵۴)

مصر کے لوگوں نے دربار میں آکر السلام علیک یا رسول اللہ کہا اور اس کو گوارا کر لیا گیا، سزا دینا تو بڑی بات تھی معمولی سی زبانی تنبیہ بھی نہ کی گئی (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۶ صـ۱۸۴)

ان دونوں واقعوں کو ہم نے اپنے رسالہ "قاتلان حسین کا مذہب" میں تفصیل سے لکھا ہے اور ان سے اس وقت کے اسلامی احساسات وجذبات کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔

امیر معاویہ کا زمانہ کسی نہ کسی طرح بسر ہو گیا اور انھوں نے اپنی عمر گذار دی مگر مسلمانوں کے سر پر ظلم و ستم کے ایسے دیو تا کو سوار کر گئے جس نے اسلام کے شیرازہ کو بالکل درہم برہم کر دیا۔ یزید کے اخلاق و عادات سے امیر معاویہ بے خبر تھے؟ نہیں ہرگز نہیں وہ خود یزید کے خصوصیات سے واقف تھے اور اس کا اظہار بھی کیا ہے چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب "تطہیر اللسان والجنان" میں جو حضرت معاویہ کے مناقب و فضائل میں تصنیف کی ہے لکھتے ہیں کہ ایک روز امیر معاویہ رونے لگے، مروان نے کہا کہ کیوں کیا ہوا؟ آپ کے رونے کا سبب؟ جواب دیا کہ

ای شیئ کنت عند عزوبانی بہ منی ورق عظمی و کنت اللہ ع فی حیینی وصیت فی احسن ما یبدونی ولولا ھوای فی یزید البصرت قصدی۔

"دنیا میں کونسی راحت تھی جو میں نے نہ اٹھائی ہو، اب سن زیادہ ہو گیا، ہڈیاں گھل گئیں جسم کمزور ہو گیا لیکن اگر مجھ پر یزید کی محبت کا غلبہ

نہوتا تو میں اپنے لئے راہ راست کو حاصل کرلیتا" (حاشیہ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۱۱۸)

دوسرے مقام پر علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

قولہ ولولا ھوای الخ فیہ غایۃ التسجیل علی نفسہ بان مزیدہ محبتہ لیزید اعمت علیہ طریق الھدیٰ واوقعت الناس بعدہ مع ذلک الفاسق المارق فی الردیٰ۔

"ان الفاظ میں معاویہ نے پورے طور پر اقرار کرلیا ہے کہ یزید کی محبت نے اُن کو ہدایت کے راستوں سے اندھا بنا دیا ہے اور اسی فرط محبت نے مسلمانوں کو اُن کے بعد ایسے فاسق وفاجر کے ہاتھوں میں مبتلا کردیا جو اُنکی ہلاکت کا باعث ہوا"

(حاشیہ صواعق محرقہ ص۱۳۰)

اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ امیر معاویہ یزید کے افعال و عادات سے بے خبر تھے اور اُس کی ولی عہدی نیک نیتی پر مبنی تھی، یزید کی بیعت مسلمانوں سے زبردستی لی گئی اور زر و جواہر کے خزانے اس کیلئے وقف کردئے گئے۔ یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور اُس کے فسق و فجور نے زمانہ

پر کر دیا ہر طرف معصیت خدا اور مخالفت شریعت کا بازار گرم ہوا مذہب بازیچۂ اطفال اور اسلام زینت طاق نسیان بن گیا، یزید کے افعال و عادات کے تفصیلی تذکرہ سے ان صفحات کو پر نہیں کیا جا سکتا اسلام کی مستند تاریخیں ان واقعات کو اپنے اندر محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ واقدی نے مختصر الفاظ میں جس طرح یزید کے بدکرداری کی تصویر کھینچی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

کان جلا بنکح امہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ۔

"وہ ایسا شخص تھا کہ اپنے باپ کی منکوحہ کنیزوں اور اپنی بہنوں بیٹیوں تک کو نہ چھوڑتا تھا شراب پیتا تھا اور نماز کو ترک کرتا تھا"

(ملاحظہ ہو صواعق محرقہ، علامہ ابن حجر مکی ص ۱۳۵)

اب بتاؤ کہ کیا اسلامی بادشاہ یا خلیفۃ المسلمین اور مجوسیوں میں کچھ بھی فرق ہوا؟ حد سے زیادہ فاسق شخص بھی اپنی ماں بہنوں بیٹیوں سے مقاربت کرنا حمیت و غیرت بلکہ انسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں۔

بادشاہ وقت کے ان عادات و اخلاق کو دیکھکر دنیا نے رنگ پکڑ لیا تھا اور مذہبیت بالکل فنا ہوگئی تھی لطف یہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ سر تسلیم خم کئے ہوئے تھے اور کسی کے دہن سے صدائے اعتراض بھی بلند نہوتی تھی۔ سوائے پانچ شخصوں کے تمام صحابہ و تابعین یزید کو خلیفہ رسول تسلیم کر چکے تھے ان پانچ میں سب سے پہلا نام حسین بن علیؑ کا ہے اور آپکی دیکھا دیکھی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس یزید کی طرف سے کوشش شروع ہوئی کہ ان کو بھی پابند بنایا جائے اور سب سے زیادہ امام حسین علیہ السلام کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونے کیلئے اہتمام کیا گیا۔

گذشتہ تاریخ اور اسلام کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ علی بن ابیطالبؑ کا فرزند اور خاندان رسولؐ کا سب سے بزرگ اگر ان حالات کی موجودگی میں یزید کی بیعت کر لیتا تو اسلام کا نام بھی باقی نہ رہ سکتا۔

# حسن مجتبیٰ کی صلح مجاہدۂ کربلا کی تمہید تھی

ہر اقدام جو اپنے وقت پر ہو وہ مفید نتیجہ خیز اور مؤثر ہوتا ہے لیکن اگر وقت سے پہلے کیا جائے تو وہ نتیجۂ مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتا ہے بلکہ اپنے کرنے والے کو اکثر ہمیشہ کیلئے مورد الزام بنا دیتا ہے۔

واقعات کی رفتار یکساں نہیں رہتی بلکہ تدریجی حیثیت سے ترقی کرتی ہے اور اُن کا طریقۂ علاج بھی اُسی اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے۔

عالم کا نظام اسی پر قرار پایا ہے اور انسان کی افتادِ طبع یوں ہی واقع ہوئی ہے اس میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں۔

زخم رسیدہ پکے ہوئے جزو بدن ہاتھ یا پیر کا علاج کرو، پھاہا لگاؤ مرہم بدلو ضرورت ہو تو بار بار نشتر دلواؤ پھر اگر نہ اچھا ہو اور اُسکی سمیت کے جسم میں سرایت کرنیکا خوف ہو تو اُسے کاٹ کر بھی پھینک دو کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا لیکن اگر زخم پیدا ہونیکے ساتھ ہی یا کوئی علاج معالجہ کرنیکے

پہلے ہی کاٹ ڈالتے تو ضرور مورد الزام اور عام طور پر بے عقل سمجھے جاتے حالانکہ یہ طرز عمل وہی تھا جو بعد میں اختیار کئے جانے پر ممدوح و مستحسن سمجھا جاتا تھا دشوار گذار حالات کی اصلاح کے لئے قربانی اور وہ بھی جان کی قربانی کامیاب اور موثر ترین حربہ ہے لیکن سب سے آخری، جب تمام وسائل و ذرایع ختم ہو جائیں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو اسوقت اس کا درجہ ہے وہ جہاں تک آخری رہے وہیں تک ممدوح ہے اور اگر اس سے پہلے عمل میں آگئی تو اس پر جلد بازی غیر موقع شناسی اور ناعاقبت اندیشی وغیرہ کا الزام آجانا ضروری ہے جس کے بعد اسکو حق بجانب نہیں سمجھا جا سکتا اور اسی کیفیت اس کی کامیابی اور تاثیر مخصت۔

حالات کی اصلاح کے لئے احتجاج و استغاثہ مصالحت و مداراتی شرط شرط اور قرارداد و معاہدہ ایسی چیزیں ہیں جن کا اختیار کیا جانا ابتدائی حدود میں ضروری ہے۔

بیشک جب یہ سب وسائل و ذرایع اختیار کئے جانے کے بعد ناکام

ثابت ہون تو پھر من جرّب المجرب حلّت به الندامة" آزمودہ را
آزمودن جہل ست" کے مطابق انسان سے ان ذرائع کا مطالبہ نہو سکیگا
اور اُس کی رفتار عمل کو آگے بڑھکر کسی دوسرے اقدام تک پہونچنے کا حق پیدا
ہوگا۔ یہی تدریجی رفتار اقدام عمل مین جبتک قائم ہو کامیابی کی توقع ہو
ورنہ نہین۔ ایک بات ہو جانے پر پہلے ہی دن مرنے مارنے پر آمادہ
ہو جانے والا مغلوب الغضب کہا جائیگا۔ وہ کسی تعریف کا مستحق نہین برخلاف
اسکے اگر تمام دیگر ذرائع و اسباب کے ذریعے سے اتمام حجت کے بعد انسان کسی اہم
مقصد کیلئے جان دینے پر طیار ہو جائے تو فداکاری و جان نثاری
اور موثر قربانی قرار پائے گی۔

ایک انسان اگر اپنے افعال و اعمال مین توازن کو ملحوظ رکھتا اور
اپنی کارگذاریون مین صرف جذبات کا فرمانبردار نہین بلکہ عقلی غور و تدبر
کا پابند ہو تو اُسے اس نظام کا پابند ہونا ضروری ہو۔

شام کی اموی سلطنت کے ہاتھون بیشک مذہب خطرہ مین تھا

اور حق و صداقت پامال ہو رہی تھے جس کی اصلاح کیلئے قربانی درکار تھی لیکن اس قربانی کے حق بجانب قرار پانیکے لئے دوسرے پر امن اور صلح پرور وسائل و ذرائع کے صرف کئے جانے کی ضرورت تھی۔

بیشک اگر امام حسینؑ ایکی ایکا بغیر کسی قسم کے سابقہ حالات کے یزید کی بیعت سے کنارہ کشی کر کے باوجود فقدان اعوان و انصار مخالفت پر جس کا لازمی نتیجہ آپکا قتل ہونا تھا طیار ہو جاتے اور ایسا کرتے تو ان سوالوں کا پیدا ہونا ناگزیر تھا کہ آخر امامؑ نے اتحاد عمل کیوں حالات کے درستی کی کوشش کیوں نہ کی؟ مخصوص شرائط کیوں صلح کر کے اپنے مقاصد کو کیوں نہ حاصل کیا؟ کم سے کم امور سلطنت سے بے تعلقی اختیار کر کے مدینۂ رسول میں قیام پذیر کیوں نہ رہے اور کربلا آکر اپنے تئیں معرض خطر میں کس لئے ڈالا؟

یہ سوالات پیدا ہونے کے بعد جن کا کوئی صحیح حل بھی موجود تھا یقیناً آپکا قتل ہونا صرف جذبات کی کارفرمائی کا نتیجہ قرار پاتا

اور اس لئے نہ قابل ستائش ہوتا اور نہ موثر و کامیاب لیکن واقعہ یہ تھا
کہ امام حسینؑ کا اقدام عمل یا قربانی وہ ایک مکمل نظام کے تحت مین واقع
ہوا تھا جس کیلئے برسون کی طویل مدت کے حالات موقع کو قریب لا رہے
تھے یہانتک کہ ۶۱ھ مین اسکا وقت آگیا۔

شروع شروع مین امام حسنؑ کا صلح کر لینا اور مخصوص شرائط معاہدہ کے
ساتھ سلطنت کی ذمہ داریون سے دستکش ہو کر دس برس خاموشی کی
زندگی بسر کرنا اور پھر دس ہی برس تک خود امام حسینؑ کا بھی عملی حیثیت سے
خاموش رہ کر حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے اکثر زبانی یا مکتوبی احتجاج
کرتے رہنا لیکن باوجود اسکے حالات کا روبہ اصلاح ہونے کے بدلے بدسے
بدتر ہوتے جانا، شرائط معاہدہ کا ٹھکرا دیا جانا، صلحنامہ کے دفعات کا
پامال ہو جانا، زبانی احتجاج و استغاثہ پر کوئی شنوائی نہ ہونا بلکہ اپنے
انسانیت سوز اور اسلام کش افعال پر بیش از بیش اصرار کیا جانا اور اس
سلسلہ مین پانی کا سر سے اونچا ہو جانا اور معاملات کا حد سے گذر جانا دیکھا

جس نے امام حسینؑ کیلئے اس عظیم اقدام کا موقع پیدا کر دیا تھا کہ جو انھوں نے کربلا کی سرزمین پہ انجام دیا۔

اب اعتراض تاریخی حالات سے بیخبری کا نتیجہ ہوگا کہ حسینؑ نے خود اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالا۔ اگر وہ مدینہ میں قیام کرتے اور یزید سے برسرپرخاش نہ ہوتے تو آپ کا خون کربلا کی زمین پہ نہ بہتا۔

یہ خیال بالکل بے حقیقت ہے۔ بنی امیہ کی عداوت بنی ہاشم اور خصوصاً علی بن ابیطالبؑ کی اولاد سے اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ کسی طرح اُن کو چین سے بیٹھنے نہیں دیسکتے تھے اور اُنکی خاموش ہستی بھی اُنکی آنکھوں میں خار بنکر کھٹکتی تھی۔ حسن مجتبیٰؑ نے باوجود صلح جوئی اور خاموشی و کنارہ کشی کیا پھل پایا؟ یہ کہ زہر قاتل کے اثر سے کلیجہ کے ٹکڑے ہوئے اور دشمنوں کی ظلم و بیداد کا خاموش افسانہ سناتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اپنی کتاب محرم نامہ صفحہ ۷ اور دوسری کتاب یزید نامہ صفحہ ۸۳ میں لکھتے ہیں۔

"پہلا خون سیدنا حضرت امام حسن کا ہے جو تاریخ کی روایت سے قطعاً
امیر معاویہ کے اوپر ثابت ہے اور کوئی قدیم و جدید محاکمہ تاریخی و قانونی
انکی بریت اس قتل سے نہیں کر سکتا"

کون کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت امام حسینؑ عراق میں نہ آتے اور مدینہ میں
قیام فرماتے تو اُن کے قتل کیلئے کوئی ایسا ہی خاموش حربہ استعمال نہ کر دیا
جاتا جس طرح حضرت امام حسنؑ پر استعمال کیا گیا۔

اسوقت آپکی جان بھی جاتی اور افراد بشر کے سامنے حقیقت کے واضح ہونیکا
بھی کوئی طریقہ نہ ہوتا بلکہ جس طرح اس سے پہلے امام حسنؑ کی شہادت سے انکار
کیا جاتا رہا اُسی طرح حضرت کی شہادت سے بھی برأت کرنا ضروری خیال
کیا جاتا اور یہ یقیناً یزید کی فتح اور حسینؑ کی شکست قرار پا سکتی تھی کیونکہ
اس حالت میں اول الذکر نے اپنے مقصد کو حاصل کیا حسینؑ کے وجود کو دنیا
سے محو کر دیا اور پھر عالم کے سامنے اپنے تئیں بری بھی ثابت کر دیا اور حسینؑ نے
اپنی جان سے ہاتھ دھویا اور کوئی نتیجہ خیز اثر بھی دنیا میں نہ چھوڑا،

بھلا حسینؑ سے محیر العقول تدبر و استقلال کی مالک ہستی سے کب توقع کیجا سکتی
ہے کہ وہ اس پہلو پر متوجہ نہو حسینؑ نے اپنے معاملہ کو دو مختلف صورتوں میں
منحصر پایا، ایک یہ کہ خاموش طریقہ پر اپنی جان سے ہاتھ دھوئیں اور
دین اسلام و شریعت نبویہ بھی یزید کے افعال و اقوال سے محو ہو کر رہے،
دوسرے یہ کہ اپنی ہستی کو ظاہری صورت میں دست فنا کے سپرد
کر کے ہمیشہ کیواسطے اپنی اور اپنے نانا کی تحریک کو زندہ کر کے اسلام کا
ایک پائدار نقش چھوڑ دیں، فرزند رسولؐ نے اپنے عظیم تدبر و قوت اندیشی سے
کام لیکر دوسری صورت کو ترجیح دی اور اسلام کو زندہ کرنیکے ساتھ اپنی
موت کو اپنے اور اسلام دونوں کی فنا کے مقابلہ میں اختیار کیا،
حسینؑ نے اپنی جان دیکر اپنے مخالفین کے مفاد کو ہمیشہ کیلئے پامال
کر دیا اور یہی وہ عظیم فتح ہے جس کو حضرت نے ظاہری صورت میں فنا ہو کر
حاصل کیا۔

# حسینؑ کا اقدام عمل خالص تبلیغی شان رکھتا تھا

## (اور)

# تدبر و سیاست کا بہترین نمونہ تھا

امام حسینؑ درحقیقت مدینے سے اسباب کا بیڑا اٹھا کر نکلے تھے کہ دنیا کے سامنے حق کو حق اور باطل کو باطل ظاہر کر دیں چنانچہ انھوں نے اپنے مقصد کی شاعت اور یزید کے ننگ انسانیت افعال کو طشت از بام کرنے میں وہ تمام وسائل و ذرائع اختیار کئے جو اُن کے عظیم تدبر و سیاست کا پتہ دیتے ہیں -

سب سے پہلے یہ دیکھو کہ حسینؑ نے مدینۂ رسولؐ کو چھوڑنے کے بعد مکہ معظمہ کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا - مکہ معظمہ کا قیام سطحی نظر میں تو اس غرض کیلئے تھا کہ اس مقام مقدس میں خونریزی حرام ہے لہذا اُنکی زندگی دشمنوں کے خطرہ سے محفوظ رہیگی لیکن یہ نقطۂ نظر ایسے شخص کیلئے تسلیم کیا جا سکتا ہے جس کی آخر تک اپنی جان بچانا منظور ہو مگر حسینؑ کہ جو مرنے پر کمر باندھ

چکے تھے اور پورے طور سے آخر تک ہونیوالے واقعات پیش نظر رکھتے تھے
جس کو برابر الفاظ مین بتلاتے بھی رہتے تھے اُنکی نسبت اس خیال کی
کوئی وقعت نہین دیجا سکتی ۔

حقیقت یہ ہے کہ مکہ معظمہ قلب جزیرۃ العرب اور عالم اسلام کا مرکز
تھا، اطراف و جوانب کے قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے اور علاوہ فریضہ
حج کے جو اسلامی شریعت کی رو سے ہر مستطیع مسلمان پر واجب ہے اور
جس کی بدولت اشہر حج مین چاروں طرف سے مختلف قبائل عرب کا
آنا ضروری ہے خود عرب کے قدیم روایات اور سابقہ عملدرآمد کی وجہ سے جو
صدیون سے قائم تھا اور اسلام نے بھی جس کو باطل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی
عرب کے اس خطہ کو تمام مختلف الخیال قبائل عرب کا محل اجتماع ہونا لازمی
تھا وہ شہور کانفرنسین جو شعر و سخن اور خرید و فروخت وغیرہ کے لئے قائم
ہوتی تھین جن کو اسواق العرب کہا جاتا ہے ذی القعدہ سے لیکر محرم تک
مکہ طائف اور مدینہ کے درمیان ہی مین قائم ہوتی تھین ۔

امام حسینؑ کی شخصیت دنیائے عرب میں کوئی اجنبیت نہ رکھتی تھی، اگرچہ مذہبی احساسات مردہ ہو گئے ہوں اور حسینؑ کو اُن کے واقعی مراتب کے ساتھ لوگ نہ پہچانتے ہوں لیکن رسولؐ کا نواسا، سلطان حجاز و عراق کا فرزند، ملک عرب کا سب سے زیادہ سخی و جواد جس کے گھر سے کبھی کوئی سائل محروم نہیں پھرا، بنی ہاشم کا بزرگ خاندان، یہ عنوان وہ تھے جن سے کوئی بھی ناواقف نہ تھا اور کسی کو اُن کے انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

حسینؑ نے یہی زمانہ کہ جو تمام قبائل عرب کے اجتماع کا تھا مکہ میں اپنے قیام کے لئے تجویز کیا، ہم نہیں کہنا چاہتے کہ حسینؑ اپنے لئے کوئی بڑا لشکر جمع کرنا چاہتے تھے اور ان قبائل عرب کے ساتھ روابط بڑھا کر اپنی حیثیت کو مضبوط بنا کر یزید کے مقابلہ کا خیال رکھتے تھے، نہیں ہرگز نہیں، اگر وہ ایسا چاہتے تو کر سکتے تھے اور مضبوط تحریک ہونے کی صورت میں ممکن نہ تھا کہ اس میں کامیابی نہ ہوتی۔

یمن بالکل نزدیک تھا جس کا اسلام علی بن ابیطالبؑ کا رہین منت تھا

اور اسکی وجہ سے وہان کے رہنے والون کو علی بن ابیطالب اور اُن کے گھرانے سے پوری ہمدردی حاصل تھی۔

طائف بھی کچھ اولاد رسولؐ کا مخالف نہ تھا لیکن فرزند رسولؐ کو عالمگیری اور جہانبانی کا شوق نہ تھا، وہ اپنے تئین ایک عظیم الشان بادشاہ تسلیم کرانے کی ہوس نہ رکھتے تھے، مگر حسینؑ کا قیام مکہ معظمہ مین صرف اس لئے تھا کہ جمہور عرب کے اندر صورت حالات کی طرف ایک توجہ پیدا ہو جائے اور یزید کے افعال و اعمال کا چرچا ہو نیلگے۔

حسینؑ کے قتل کیلئے حجاج کے لباس مین شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے ہون یا حضرتؑ کے پابزنجیر کر لئے جانے کا سامان کیا گیا ہو بہرحال معلوم اسباب و علل کے ماتحت امام کا بیت الحرام سے رخصت ہونا اور زمانہ حج کے گذرنے کا انتظار بھی نہ کرنا اس کو امام کے تبلیغی مقصد مین پورا دخل ہے۔ ایکی ایکا خلاف توقع حسینؑ کا حج کو ترک کر دینا اور تمام اہل و عیال کیساتھ مکہ معظمہ سے نکل کھڑا ہونا ایسی حالت مین کہ حج کا زمانہ بہت کم

باقی تھا اس نے تمام قبائل عرب کے نمایندون مین ایک لہر دوڑادی اور اگر کوئی تاریخ اُس موقع کی قلم بند کی گئی ہوتی تو اُس مین ضرور نظر آتا کہ اس موقع پر کن خیالات کا اظہار کیا جاتا تھا۔

حسینؑ بن علیؑ کہان چلے گئے؟ حج بھی نہ کیا؟! ان تمام اہل و عیال و اقربا کیساتھ اپنے نانا کی قبر کے جوار کو کیون چھوڑ دیا؟ (یزید کے خوف سے) کیون؟ یزید کیا چاہتا ہے؟ (حسینؑ سے بیعت کا طالب ہے) لاحول ولاقوۃ بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟ فرزند رسولؐ اور یزید ایسے شرابخوار اور زناکار فاسق و فاجر کی بیعت کرے! اچھا پھر مکہ معظمہ مین کیون قیام نہ کیا؟ کس لئے حج کو بھی ترک کر دیا؟ (جان کا خطرہ تھا شاید مکہ مین حسینؑ کے قتل کرنے کیلئے شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے تھے) توبہ توبہ! اس سے بڑھکر سفاکی و ظلم کیا ہوگا کہ فرزند رسولؐ کو حرم مین بھی چین نہ لینے دیا جائے"۔

یہ تذکرے وہ ہون گے جو مکہ معظمہ اور اُس کے اطراف و جوانب مین اکثر

باخبر حلقون مین بہت اہمیت کیساتھ جاری تھے۔

وہ زمانہ کہ جب طرق مراسلت ومخابرت مسدود تھے تار ٹیلیفون وغیرہ خبر رسانی کے ذرایع نایاب، اس سے بڑھکر کوئی طریقہ واقعات کی اشاعت کا نہین ہوسکتا تھا۔ مکہ سے روزانہ لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ جو شخص تازہ اپنے شہر مین آیا اُس کو بھی تازہ واقعات کے ضمن مین حسینؑ کے نقل وحرکت اور اُسکے اسباب وعلل کا بیان کرنا ضروری تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نہین تھا کہ امام کیلئے کوئی بڑا لشکر جمع ہوجائے لیکن مطلب صرف اتنا تھا کہ پہلے سے ان حالات کی اشاعت ہوجانے کے سبب حسینؑ کی شہادت عام طور سے نامعلوم اسباب وعلل کا نتیجہ قرار نہ پائے تاکہ اہل شام کو اپنے دل سے اُس کیلئے مخصوص وجوہ تراشنے کا موقع ملجائے اور حسینؑ کی مظلومیت وحقانیت مخفی ہوجائے یقیناً اگر امام کی طرف سے ان طرق نشر واشاعت کو عمل مین نہ لایا جاتا تو یزید کی طرف سے امام کی شہادت کو طرح طرح کے لباس پہنائے جاتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حسینؑ کا خون رائگان چلا جاتا باین معنی کہ آپ

اپنی جان بھی ہاتھ سے کھوتے اور کوئی ہمدردی بھی افراد بشر کے قلوب
مین چھوڑ کر نہ جاتے اور نہ وہ مقصود جو آپکا تھا حاصل ہوتا مگر خدا کی قدرت
دیکھو کہ امام شہید ہوئے اور تمام دنیا نے اسبات کو تسلیم کر لیا کہ وہ ناحق قتل
کئے گئے، شام کا حاکم اور اسکے دشمن انسانیت و زرار اور ساتھی کسی تہمت
تراشنے کا موقع بھی نہ پاسکے اسے خداوند عالم کی قوت قاہرہ کے بعد حسینؑ
کے تدبر سے تعلق ہے اور وہ اسباب و علل شہادت کے نشر و اشاعت کا نتیجہ تھا۔
حسینؑ نے اپنی نقل و حرکت کے وجوہ کو زندگی ہی سے عالم اسلام مین
شایع کر کے دشمنون کی زبانین بند کر دین اور اپنی مظلومی کے سامنے
دنیا کے سر تسلیم کو خم کرالیا اور اس سے بڑھکر حقانیت کی تبلیغ کیا ہو سکتی ہے؟

**حسینؑ کا قافلہ خاموش مبلغ تھا** حج کا زمانہ تھا عراق،
یمن، طائف وغیرہ سب طرف سے قبائل مکہ مین آرہے تھے، ادہر امام حسینؑ
اپنے اہل و اقربا انصار اصحاب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ خیمہ و خرگاہ
تمام اسباب ساتھ لئے ایک بڑے قافلہ کی صورت مین مکہ سے جا رہے تھے،

عالم مسافرت مین زندگی گذارنے والے واقف ہین کہ راستہ مین چار پانچ آدمیون کا بھی قافلہ نظر آئے تو کھوج ہوتی ہی کہ یہ کون لوگ ہین کہان سے آتے ہین؟ پھر کہان امام حسینؑ کا شاندار قافلہ اور اصحاب و اعوان کا مختصر لشکر اُس پر طرہ یہ کہ حج کو دو دن باقی رہی مکہ معظمہ کی طرف سے آرہا ہو جبکہ دنیا مکہ معظمہ کی طرف حج کے لئے متوجہ ہی اور جو جو یقیناً جاذب نظر اور جالب توجہ تھے اور ایک اجنبی شخص کو یہ پوچھنا ضروری تھا کہ یہ کس کا لشکر ہی؟ کہان جارہا ہی؟ اور حسینؑ کا نام معلوم ہونے پر وہی سوالات جو ہم نے اس کے قبل درج کئے ہین۔ چنانچہ تاریخین شاہد ہین۔

فرزدق سی ملاقات امام سی یونہی اتفاقی طور پر ہوئی تھی اور عبداللہ بن مطیع و عمر بن عبدالرحمن مخزومی بھی راستہ مین خلاف توقع امام سے دوچار ہوگئے اور پھر جو گفتگو ہوئی وہ تاریخ کے اوراق مین محفوظ ہی۔

اسکے معنی یہ ہوے کہ حسین بن علیؑ اور ہاشمی جوانون کا شاندار قافلہ جو خانۂ خدا کو مجبوری چھوڑ کر جنگلون مین راہ پیما تھا خود ایک خاص مبلغ اور

داعی حق تھا جو دور دور کے لوگوں کو تحقیق حالات اور کشف حقائق پر مجبور کر دیتا تھا۔

**کربلا کی سرزمین پر تبلیغ** راستہ کے تمام اہم واقعات کو چھوڑتے ہوئے امام کی اس عظیم الشان تبلیغ کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو کربلا کی سرزمین پر حسینؑ سے ظاہر ہوئی، وہ وقت کہ جب خود ان کے پیارے دشمنوں نے چاروں طرف سے امام پر راستہ بند کر دیا تھا اور تیس ہزار کے لشکر نے دین و مذہب بلکہ انسانیت و غیرت کو خیرباد کہکر فرزند رسولؐ کے قتل پر کمر باندھ لی تھی اُن کا گمراہی سے باز آنا ناممکن تھا اور حسینؑ اسباب سے واقف تھے لیکن ایک مبلغ مذہب اور داعی حق کا فریضہ ہے کہ وہ حق کی آواز کو بلند کرے اور تبلیغ و دعوت میں کوتاہی نہ کرے اور اس فرض کو امام نے خوب ادا کیا۔

## ایک شب کی مہلت نماز کیلئے اور مفاد اسلام کی بے نظیر تبلیغ

۹ محرم کو اُسوقت کہ جب خونخوار لشکر کی یورش تھی اور حسینؑ اور اُنکی مختصر

جماعت کے قتل کیلئے حملہ کر دیا گیا تھا حسینؑ نے اپنے بھائی کو بھیجا ایک شب کی مہلت مانگی کیوں؟ کیا اس لئے کہ حسینؑ اپنے اہل حرم سے رخصت ہو لیں، اپنے عزیزوں کو دل بھر کر ایک رات اور دیکھ لیں یا ایک شب میں کوئی سامان جنگ کر لیں؟ نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ آج کی رات بھر خدا کی عبادت کر لیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا شب اس طرح گذاری کہ لھم دوی کدوی النحل اس جماعت کی آوازیں ذکر الٰہی اور تسبیح کیسا تھا اس طرح گونج رہی تھیں جیسے شہد کی مکھی کے چھتے سے آواز آتی ہے۔"

اس طرح انھوں نے دکھلا دیا کہ سخت ترین مواقع پر کس طرح اصول مذہب کا خیال رکھا جاتا ہے اور یہ کہ مذہبی جذبہ عالم کے ہر جذبہ سے زیادہ بطاقت ہے۔

**دسویں عاشور کے دن نماز ظہر** گذشتہ موقع سے سخت اور زیادہ کٹھن وہ موقع تھا جب لڑائی شروع ہو چکی تھی حسینی مختصر لشکر کے بہت سے

جوان قتل ہو چکے تھے اور کمزوری محسوس ہونے لگی تھی تیروں کی بارش تھی اور کمانوں کے کڑکنے کی گرج لیکن اس حالت میں بھی نماز ظہر بجماعت ادا کی گئی اور ایسی نماز کہ جس کی نظیر عالم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

امام روبقبلہ اور مجاہدین کی صفیں پیچھے اور دو بہادر جوان امام کے آگے سینہ سپر بنے ہوئے کہ جو تیر آئے وہ اپنے اوپر روکیں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ نماز ختم ہوتے ہوتے ان دونوں بہادروں میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی زمین پر گر کر تڑپنے لگتے ہیں اور دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

یہ تھے حقانیت کے مظاہرات اور صداقت کے نمونے جو اگرچہ اپنے وقت وقوع میں خاموشی کیساتھ عمل میں آئے لیکن انھوں نے دنیا کو دعوت حق کی پرزور آواز سے ملو کر دیا اور افراد اسلام کے اسلامی احساسات کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا اور دوسری طرف یزید اور ہواخواہان یزید کے ظالمانہ افعال و اسلام کش حرکات کا پردہ چاک کیا۔

## تبلیغ حق کے دیگر مظاہرات

عاشورے کی صبح سے لیکر عصر تک

واقعات اگر ہم لکھنا چاہیں تو یہ مضمون کافی نہیں ہو سکتا تاریخ شاہد ہے کہ
حسینی فوج کا ہر جوان ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بریر ہمدانی کا مباہلہ
حبیب بن مظاہر کا مکالمہ زہیر بن قین کا خطبہ اور تمام انصار و اقربا کے
وہ جز جن میں سے ہر ایک حسینی شہادت کے اسباب و علل بیان کرنے میں ایک
مبلغ کا حکم رکھتا تھا۔ اس کا اثر ظاہر ہو یا نہ ہو لیکن ایک مبلغ کی کامیابی
یہ نہیں ہے کہ اس کی آواز پر لبیک کہنے والے زیادہ تعداد میں پیدا ہو جائیں
بلکہ اسکی کامیابی یہ ہے کہ وہ سخت اور کٹھن موقعوں پر اور دشوار گذار منازل میں
اپنے فریضہ کو ادا کر دے اور جو دعوت و اظہار کا حق ہے اس کو پورا کر سکے۔
حسینی فوج کے تمام جوان داد شجاعت دیکر رخصت ہو چکے، ہاشمی خاندان کے
شیر بھی اپنے بزرگ کی حمایت میں کام آگئے صرف مظلوم حسین باقی ہیں
اور دشمنوں کا حلقہ ہے دل پر مصائب کا ہجوم اور آنکھوں میں دنیا تاریک ہے
مگر وہ مبلغ الٰہی، ربانی داعی مذہب اپنے فریضہ سے ایک سکنڈ کیلئے غافل
نہیں ہے، وہ خطبے پڑھتا ہے، تقریریں کرتا ہے، صحابۂ رسول کو گواہ بنا کر

اپنی حقیقت کا ثبوت دیتا ہے۔ کیا اس امید پر کہ یزیدی لشکر حسینؑ کی حالت پر رحم کھائیگا یا وہ درہم و دینار کی جلوہ آرائی اور رویہ شرفیون کی جھنکار اور حکومت و سلطنت کی طمع و حرص سے آزاد ہو کر حق کے راستہ پر آجائیگا؟ لا واللہ! حسینؑ بھولے اور ناعاقبت اندیش نہ تھے، وہ خوب جانتے تھے مگر بنی نوع بشر کو حالات سے واقف اور باخبر بنانا چاہتے تھے، انھوں نے کوئی دقیقہ اظہار حق میں اٹھا نہیں رکھا اور آخری نفس تک اپنے فرض کو ادا کر گئے۔

اسوقت بھی کہ جب شمر کا خنجر بوسہ گاہ مصطفےٰ کے قریب آچکا تھا اور امامت کا چراغ گل ہو رہا تھا حسینؑ نے اپنے قاتل کے سامنے تبلیغ کی اور اپنے نانا کی صداقت و حقانیت کو ثابت کر دکھایا "اے شمر ذرا اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا" شمر نے نقاب ہٹائی حضرتؑ نے فرمایا صدق واللہ جدّی "میرے نانا رسولؐ نے سچ کہا تھا کہ اے حسینؑ تیرا قاتل ایک مسبرص (کوڑھی) شخص ہوگا"

روحی لک الفداء! اے حسین بن علی آپ نے مرتے دم تک اپنے فریضہ سے ہاتھ نہیں اٹھایا، آپ نے اپنے نانا کے قول کی تصدیق زیر خنجر بھی ثابت کردی۔ آپ کے خون کا ہر قطرہ جو کربلا کی زمین پر گر رہا تھا آپکی مظلومیت کا مرثیہ خوان اور ملت اسلامیہ کا واحد مبلغ تھا۔

# واقعہ کربلا کے بعض روشن پہلو

**ایثار و مواسات** مشترکہ ضرورت کے وقت دوسرے کو اپنے نفس پر مقدم کرنا ایثار ہے اور سخت موقع پر دوسرے کو مبتلا پاکر خود شریک مصیبت اور ہمدرد ہو جانے کا نام مواسات ہے۔

ان دونوں صفتوں کا بہتر اور مکمل ترین نمونہ زمین کربلا کے مجاہدین نے پیش کیا، ان میں سے ہر فرد نے امام کے نفس کی حفاظت کو اپنے نفس و بدن پر اس طرح مقدم سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے تئیں جیتے جی معدوم سمجھ لیے تھے۔ سید الشہداء مصلے پر نماز ظہر ادا کر رہے ہیں اور دشمنوں کے تیروں کی

پوچھا رہی۔ سعید بن عبداللہ اور زہیر بن قین امام کے سامنے سپر بنے ہوئے کھڑے ہیں اور ابھی نماز صبح ختم نہیں ہوتی کہ سعید زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں۔

اور خود امام نے مفاد ملی کی حفاظت کو اپنے نفس بلکہ نفس سے عزیز تر اولاد و اقربا اور اُن سے بھی بالاتر عزت و ناموس پر اس طرح مقدم کیا کہ خود دنیا کی ہر چیز سے ہاتھ دھو لیا اور اپنے کو عالم بھر کے مصائب و آلام کا نشانہ بننا گوارا کیا لیکن دین اسلام کو قائم کر گئے۔

اور مواسات کا یہ عالم کہ کوئی مصیبت انصار و اصحاب پر نہیں پڑی جس میں امام نے اُن کا ساتھ نہ دیا ہو انصار و عزا کی شہادت کے عنوان مختلف تھے لیکن جب امام مظلوم کی شہادت پر ایک نظر کی جاتی ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک عنوان کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ ایک بیٹے کے قتل کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ اُس ایک ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔

حسینؑ اُس دن صرف اپنی جان نہین دے رہے تھے بلکہ دنیا کو ایثار
و مواسات کا نہ بھولنے کے قابل سبق دے رہے تھے اور بے نظیر مثال
قائم کر رہے تھے۔

**ثباتِ قدم و استقلال** سخت اور دشوار گذار مصائب کے باوجود
قدم مین لغزش نہ ہونا ثباتِ استقلال ہی اور اس امتحان مین کربلا کے
مجاہدین کا نمبر سب سے اول ہی، اُن کے سخت اور دشوار گذار مصائب کی نوعیت
عالم سے جداگانہ تھی، سر و گردن کے باہمی ارتباط کا ایک مرتبہ شمشیر
سے قطع نہ جانا ایک جانباز سپاہی کے نزدیک کوئی اہمیت نہین رکھتا
لیکن تین دن کی بے آبی اور زخمون کی کثرت کے سبب کلیجے کے اندر
آگ کا بھڑکنا ہر لحظہ احتضار و نزع روح کی تکلیف برداشت کرنے سے کم نہ تھا
کمسن بچون کو ماہی بے آب کی طرح تڑپتے دیکھنا اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی
کے عزیز ترین سرمایہ اولاد کو بھیجی ہوئی تلوارون اور برستے ہوئے تیرون
مین بھیجنا نہین بلکہ اپنے ہاتھ پر جگر کے ٹکڑے کو نشانۂ تیر ہونے دینا

ہر انسان کا کام نہین۔ اُنکے استقلال و ثبات قدم کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہی اور اُنھون نے اسکے ذریعہ جو حیرت انگیز کامیابی حاصل کی اُسکی مثال بھی ملنا ناممکن ہی۔ وہ فنا نہین ہوے بلکہ ہمیشہ کیلئے خود زندہ ہوے اور ہزارون کو زندہ کر گئے دور فلک مین جبتک اسلام کا دور ہی اُنکی یاد سچے مسلمانون کے دل مین ہمیشہ تازہ رہیگی اور سرشک غم کے سبحۂ صد دانہ پر اُن کے نام کا ورد ہوتا رہیگا۔

# عزّت نفس اور موت کا موازنہ

## مجاہد کربلا کا نعرۂ شیرانہ

الموت اولیٰ من رکوب العار

زندگی عزیز شے ہی اور فطرت انسانی مین حیات دنیا کی محبت ودیعت کر دی گئی ہی، انسان اسی کی خاطر سخت ترین دنیا کے مشکلات برداشت کرتا اور سرد و گرم عالم کا تحمل کرتا ہی۔ اُس کی طبیعت اگر

افراط بخل وغیرہ کے سبب جسد اعتدال سے خارج نہیں ہوگئی ہے تو وہ اپنی جان
کی حفاظت میں مالی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا اور تمام ممکن ذرائع
جن سے اُسکی ہستی کا بقا ممکن ہے اُن کو صرف کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اسلام
نے بھی اس فطری رجحان کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں پائی بلکہ لا تلقوا
بایدیکم الی التھلکۃ کے حکیمانہ حکم سے حفاظت نفس اور زندگی کی
نگہداشت کو فریضہ لازمہ قرار دیا لیکن ذالک اعظم کے دور اور لیل و نہار
کی آمد و رفت میں ایسے نازک مواقع پیش آجایا کرتے ہیں جب جذبات
نفسانیہ میں تلاطم اور طبعی و عقلی رجحانات میں تصادم ہوتا ہے، زندگی
اپنی تمام دلفریبیوں کے باوجود اتنی مہیب صورت میں نظر آتی ہے کہ انسان
بے اختیار اس سے آنکھ بند کر لینا پسند کر لیتا ہے اور وہ اسی محبوب زندگی
سے جس پر وہ ہر شے کو قربان کرتا تھا ہاتھ دھونے میں لذت محسوس کرتا ہے
یہ صورت کبھی غیر عقلی، شہوانی، جاہلانہ، احمقانہ جذباتی رجحانات
سے پیدا ہوتی ہے اور اس موقع پر جان دینے سے نہ عقل بڑھکر مرحبا کہتی اور نہ

شرع شاباش کی آواز دیتی ہے لیکن جسوقت موت سے بدتر زندگی یا زندگی
سے بہتر موت مین معاملہ پڑ گیا ہو جسوقت حیات دنیا اہم ترین مقاصد کے
پامال ہونیکا پیش خیمہ ہو اور جسوقت عزت نفس اور وفائے ظاہری کا
سوال درپیش ہو جبکہ میزان عقل نے صورت حال کے مختلف پہلوؤن پر
غور کر کے موت کو حیات پر ترجیح دیدی ہو تو اسوقت موت کے مونھ مین
جا پڑنیوالے دائمی حیات کے مالک ہو جاتے ہین عزت دار ہستیان ہمیشہ
عزت کا صدقہ جان کو سمجھتی ہین حسین بن علیؑ نے کربلا مین جو راستہ
اپنے لئے مقرر کر لیا تھا وہ اسی اصول پر مبنی تھا اُن کی زبان سے
نکلی ہوئی لفظین اگرچہ وسیع صحرائے کربلا مین گونج کر فنا ہو گئین
لیکن اُن کا پائدار مفہوم اب بھی غیرت دار اقوام کے صحیفۂ حیات کا
سرنامہ اور اُن کے دیباچۂ زندگی کا عنوان اوّل ہے (الموت اولیٰ
من رکوب العار) ننگ و عار کے برداشت کرنے سے موت کا آنا
بہتر ہے" اُنکی مختصر لفظین علو ہمت کی منادی اور عزت نفس کی

ترجمان ہین اور انہی کو حسینؑ نے عملی صورت سے دنیا کو دکھلا دیا۔

# اصول کی حمایت اور قربانی

## حسینؑ کی قربانی دنیا سے نرالی تھی

## اس قربانی کے انتظامات عجیب و غریب تھے

کربلا کے مجاہد حسین بن علیؑ کا اصول حق کی حمایت، شریعت اسلامیہ کی نگہداشت اور جابر و ظالم طاقت کے مقابلہ مین روحانی و مذہبی خودداری کی حفاظت تھی، انھون نے اپنے آخری نفس تک اس اصول کو ہاتھ سے نہین جانے دیا، وہ اگر پہلی ہی مرتبہ اپنی جان کی قربانی پیش کر دیتے تو بہت ممکن تھا، اس قسم کی قربانیان کم سہی لیکن بیمثال نہین ہین سقراط نے بھی اپنے ہاتھ سے زہر کے جام کو اٹھاکر پی لیا تھا اور اپنی جان کو مقصد پر سے قربان کر دیا تھا لیکن حسینؑ

بن علیؑ کا مقصد بہت اہم تھا، وہ اپنی قربانی کی نوعیت ہی، عالم سے جداگانہ قرار دینا چاہتے تھے، اُن کا مقصد یہ تھا کہ اپنی طرف نسبت رکھنے والی ہر عزیز شے کو خود اپنے ہاتھ سے قربان کریں اور جب اپنے نفس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے تو اس متاع گرانمایہ کو قربانی کے میدان میں پیش کر دیں، اُنھوں نے سب سے پہلے اپنے راحت و آرام، وطن کی اطمینانی زندگی کو قربان کیا جس کے سلسلہ میں اُن کو ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنا پڑی۔

روز عاشور کی قربانیوں کے سلسلہ میں اپنے محبوب ترین اصحاب انصار، ساتھ کے کھیلے ہوئے احباب کو قربان کیا، عزیزوں کی باری آئی اور ایک ایک کر کے ان سب کو میدان قربانی میں بھیجا، اپنے داہنے بازو وفادار بھائی قمر بنی ہاشم کو قربان کیا، اپنے پیارے بھتیجے اور داماد قاسم بن الحسن کو قربان کیا، اپنے دل کی قوت آنکھوں کی روشنی اور بیری کے سہارے علی اکبر کو قربان کیا۔

باغ اُمید کی آخری کوپل، اور غنچۂ ناشگفتہ علی اصغرؑ کو خود اپنے ہاتھوں
پر لاکر قربان کیا، ابھی تک دل کے ٹکڑوں کی قربانی ہو رہی تھی اب
اعضائے بدن تک نوبت پہونچی، اُن کو ایک ایک کر کے قربان
کیا۔ گوشت و پوست، سینہ و دست، دل و جگر، چہرہ و جبین
بلکہ سطح جسم کا چپہ چپہ اور اجزائے بدن کا ہر ذرہ قربان کیا نوبت
یہ پہونچی کہ تیروں کو جگہ نہ ملتی اور دشمنوں کی تلواروں، نیزوں کو
جستجو کے بعد بھی خالی مکان نظر نہ آتا تھا، جب جسم کا ہر حصہ اور
دل کا ہر ٹکڑا قربان ہو چکا۔ اصحاب و انصار اہل بیت میں سے تو
پہلے ہی کوئی باقی نہیں رہا تھا اعضائے جسم کی قربانی کا بھی امکان
نہ رہا، ایک ایک نیزہ پر سیکڑوں نیزے اور ایک ایک تلوار پر سیکڑوں
تلواریں پڑ چکیں اور تیر بھی اپنا پورا حوصلہ نکال چکے، اب حسینؑ کیلئے
کوئی چارہ کار نہ تھا، کوئی قربانی کے قابل شے باقی نہیں رہی تھی
صرف ایک رشتۂ حیات تھا جو روح و بدن کے درمیان کشمکش جاری کئے

باوجود قائم تھا اور ایک سر و گردن کا ارتباط تھا جس مین ابتک جدائی نہوئی تھی ۔

اس باہمت مظلوم کیلئے گذشتہ تمام قربانی کے مرحلون کو طے کرنے کے بعد اس ایک قربانی کا مرحلہ بالکل آسان تھا بلکہ اس مین خاص لذت محسوس ہو رہی تھی عصر کے ہوتے ہوتے حسینؑ اس قربانی مین بھی کامیاب ہو گئے اور خنجر شمر سے کچھ دیر راز و نیاز کے بعد ایک طرف نفس کی آمد و شد کا سلسلہ اور نفس و بدن کا ظاہری حلقۂ اتصال قطع ہوا اور دوسری طرف سر و گردن کے ارتباط مین جدائی پیدا ہوئی ۔

آسمان لاکھون برس گردش کرے زمانہ کے ورق گوناگون خصوصیتون کے ساتھ سامنے آئین اور الٹ جائین لیکن اتنی شاندار مکمل منظم اور مرتب قربانی کی مثال پیدا نہین ہو سکتی ۔

# حسینؑ کی شہادت کے بعد

فاطمہ زہرا کا چاند غروب ہو چکا ہے اور دشمن اپنے مقصد میں ظاہری صورت سے کامیاب ہو چکے ہیں، اب کوفہ و شام کے بازار میں اور بنی ہاشم کے گھرانے کی معزز خواتین اور سیکڑوں پر کربلا میں شہید ہونے والے مظلوموں کے سر نیزوں پر ہیں سطحی نظر سے دیکھنے والے اس منظر کو اہلبیت رسولؐ کیلئے سخت توہین و ذلت کا باعث سمجھ رہے ہوں گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسوقت حسینؑ کی تبلیغ منتہائے شباب پر پہونچ گئی ہے اور دعوت حق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا ہے۔ اگر چشم حقیقت بین سے نظر کرو تو نیزہ پر سر حسینؑ جس کی پیشانی پر سجدہ معبود کا نشان پڑا ہوا ہے (سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود) چہرہ سے نور ساطع ہے۔ مونث تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں (ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا)۔

دوسری طرف مخدرات عصمت جو ان کا محرم ہونے کے مجمع میں چادر و مقنعہ سے محروم

بعد غیرت و حیا کا مجسمہ اخلاق محمدیہ کی تصویر جاہ و جلال کی چادروں میں
عفت، طہارت و عفت کے اندر ملبوس اور ان کے وہ حقائق و دقائق سے
مما خطبے کا انھا الفرغ عن لسان ابیھا (زینبؑ گویا علی بن ابیطالبؑ
کی زبان کا بیٹھا کلام کر رہی تھیں)

یہ چیزیں وہ ہیں جنھوں نے صداقت کے پیکر میں روح پھونک دی، دنیا کی
آنکھوں کے سامنے سے جہالت و ضلالت کے پردوں کو چاک کر کے پھینک دیا،
عالم کو شرق سے لیکر غرب تک حسین بن علیؑ کا مرثیہ خوان اور یزید کے فعال و
اقوال سے بیزار و متنفر کر دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آج عالم کے گوشہ گوشہ اور
دنیا کے ہر حصہ میں حسینؑ کا نام ہے اور حجاز کا حقیقی بادشاہ کروڑوں فرزندوں کے
دلوں پر قیامت تک کے لئے حکومت کر رہا ہے اور بنی امیہ کے جبروت و
عزت کا چراغ ہمیشہ کیلئے اس طرح گل ہوا کہ کوئی نام لینے والا بھی نہیں ہے عالم نے
دیکھ لیا کہ کون ظالم تھا اور کون مظلوم؟ ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور مظلومیت
کی شان کیا ہے؟

علی نقی النقوی عفی عنہ (لکھنؤ)
ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

# فلک صحافت پر طلوع آفتاب

## فن قصیدہ گوئی میں نئی شاہراہ

### ادب اردو میں سہری شاہکار

اگر آپ فانوس ادب میں ہمیشہ تابانیوں کے بصیرت افروز مناظر دیکھنا چاہتے ہیں تو آئیے

**صحیفہ تجلی** کی تبلیغی شاعری حسینی فلسفہ حقیقی مدح اور کبیر کی طرز نگاری کی

نقوش ملاحظہ فرما کر اپنے شہود و معرفت شاعر خلاق المعانی رئیس الشعراء حضرت رزم ردولوی

کے تازہ افکار سے دل و دماغ کی بالیدگی حاصل فرمائیے۔

## ہم خرما و ہم ثواب

"صحیفہ تجلی" کی تمام منفعت جناب مصنف نے امامیہ مشن، اور شیعہ یتیم خانہ، کے لئے

وقف فرما دی ہے۔ لہذا اپنے محبوب ادبی رجحان کی امداد کر کے اجر جزیل حاصل کیجیے۔

قیمت قسم اعلیٰ ایک روپیہ عیہ قسم اوسط ۱۲ قسم ادنیٰ آٹھ آنہ۔ علاوہ خرچہ ڈاک

ملنے کا پتہ:- سید ابن حسین حسین آباد۔ لکھنؤ

# مژدۂ تازہ

یہی رسالہ جو آپ کے ہاتھ میں ہے تبلیغی مقصد کو
پیشِ نظر رکھتے ہوئے۔ غیر اقوام کے لیئے انگریزی
اور ہندی زبانوں میں بھی بہترین اہلِ قلم سے ترجمہ کرا کر
شائع کیا گیا ہے، لہذا غیر اقوام میں تقسیم کے لیئے اُن کی
بھی کثیر سے کثیر تعداد میں کاپیاں منگوا کر مفت تقسیم کیجیئے
اُن رسالوں میں سے ہر ایک کی قیمت دو آنہ ہے

اور خرچہ ڈاک ۰/

ملنے کا پتہ

سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد

لکھنؤ۔

Oriental
URDU PRINT

# امامیہ مشن لکھنؤ کے تبلیغی کارنامے

| | قیمت | خرچہ ڈاک |
|---|---|---|
| (۱) قاتلانِ حسینؑ کا مذہب (تیسرا ایڈیشن) | ۴/ | ۱/ |
| (۲) تحریف قرآن کی حقیقت (دوسرا ایڈیشن) | ۶/ | ۱۰/ |
| (۳) مولود کعبہ | ۱/ | ۰/ |
| (۴) وجودِ حجّت | ۴/ | ۱/ |
| (۵) اصول دین اور قرآن | ۴/ | ۱/ |
| (۶) اتحاد بین الفریقین | ۴/ | ۱/ |
| (۷) حسینؑ اور اسلام | ۱/ | ۰/ |
| (۸) " " (انگریزی) | ۲/ | ۰/ |
| (۹) " " (ہندی) | ۲/ | ۰/ |

ملنے کا پتہ

سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

# حجج وبیّنات

اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جو عالم اسلام میں ظاہر ہوئی ہے سالگذشتہ عراق میں مشاہدہ شدہ ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم سے جو حیرت انگیز مظاہر قدرت یعنے معجزات ظاہر ہوئے اُن کے مستند تفصیلی واقعات ذاتی تحقیقات اور مستند ذرائع سے تصدیق شدہ معلومات حاصل کرکے ایک جا شایع کردیے گئے ہین جو ارباب ایمان کے لئے بصیرت افروز اور تمام مذاہب و اقوام کے مقابل مین صداقت و حقانیت کی دلیل ہین، یہ کتاب بھی حضرت سید العلما، مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہ کا نتیجہ قلم اور انہی کی ذاتی تحقیقات اور کاوش کا نتیجہ ہے جو کتاب کی ادبی منزلت اور استناد و اعتبار کی حیثیت کیلیے بہترین ضمانت ہے ۲۰×۲۶ کی تقطیع پر اعلیٰ کاغذ و طباعت کے ساتھ تیار ہے اور اُس مین متعدد شفایافتہ افراد کے فوٹو بھی شامل ہین جو کتاب کی دیدہ زیبی اور نیز اُسکے اعتبار و استناد مین اضافہ کا باعث ہوئے ہین قیمت علاوہ محصول ڈاک (عہ/)

ملنے کا پتہ

سید ابن حسین آنریری سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ